تکفیر کے شرعی اصولوں پر نظر-۲

ڈاکٹر عصمت اللہ ○

قرآنِ مجید میں یہ تذکرہ ضرور کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اَزخود احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی، لہٰذا بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الاعراف ۷:۱۵۱) اے میرے رب، میری مغفرت فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ توہین رسولؐ پر اَزخود احساسِ ندامت، توبہ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کو کافی ہونا چاہیے۔

یہ اصول اگرچہ حضرت موسیٰؑ کے واقعے میں آیا ہے، لیکن یہ ہر مسلمان کے لیے بھی عام ہے کہ اگر توہین رسالت کی نیت و قصد نہ ہو، اور توہین کا فعل شدتِ جذبات میں سرزد ہو، اور بعد میں اَزخود احساسِ ندامت، یا کسی کے توجہ دلانے پر توبہ و استغفار کرلے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا مستحق ہے۔ احناف کا توہین رسالت کی وجہ سے ارتداد میں یہی موقف ہے کہ توبہ و استغفار سے معافی مل جائے گی۔

امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ اکثر یہ فرماتے تھے کہ سچے وفادار اور مخلص محب کو بسا اوقات اس کی عظیم خدمات، وفاداری اور قربانی و ثابت قدمی کی وجہ سے بہت کچھ معاف کر دیا جاتا ہے، اور پھر فرماتے: حضرت موسیٰؑ کو نگاہ میں لاؤ، اللہ تعالیٰ کے

○ پروفیسر (سابق) ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

کلامِ الٰہی پر مشتمل ان تختیوں کو پھینک دیا، جنھیں وہ کوہِ طور سے لے کر آئے تھے، وہ اَلواح ٹوٹ گئیں اور اپنے جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی، اپنے حقیقی بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا۔[۱]

حضرت موسیٰؑ نے معراج کی رات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو احکامِ نماز میں تبدیلی کی درخواست کے لیے بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بھیجا۔ اللہ رب العالمین نے یہ سب کچھ نہ صرف یہ کہ برداشت کیا، بلکہ منصبِ نبوت و رسالت کے ساتھ، محبت و اِکرام کا تعلق بھی برقرار رکھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپ نے خدا کے سب سے بڑے باغی، فرعون کے دربار میں دعوت وحق گوئی اور مصری قبطیوں کے ساتھ اپنی قوم بنی اسرائیل میں بھی دعوت الی اللہ کا کام عمدہ طریق سے کیا۔ ان جلیل القدر خدمات کے مقابلے میں ان جوشیلی حالتوں کا کوئی وزن نہیں تھا، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وَإِذَا الْحَبِيْبُ أَتَى بِذَنْبٍ وَاحِدٍ جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِأَلْفِ شَفِيْعِ

[جب کسی محبوب شخصیت سے کبھی کوئی کوتاہی سرزد ہوجائے، تو اس کا پورا کارنامہ زندگی، خوبیاں اور سابقہ خدمات، ہزار سفارش کنندہ کے طور پر آجاتے ہیں]۔[۲]

کبھی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرتے وقت، اپنی جہالت و ناواقفی کی وجہ سے ایسے الفاظ استعمال کرگزرے، جو درحقیقت اسلام قبول کرتے ہوئے نہیں کہے جاتے، اور اپنی جگہ وہ کلماتِ کفر ہیں۔ لیکن چونکہ ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا مقصود تھا، اس لیے شریعت نے اس غلطی کو نظرانداز کر کے ایمان کے حق میں قبول کرلیا، جیسا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے حوالے سے ہے، کہ انھوں نے قبیلہ بنوجذیمہ کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے صَبَانَا صَبَانَا ، یعنی 'ہم صابی ہوئے' کے الفاظ استعمال کیے۔ حضرت سالم، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنوجذیمہ

---

[۱] حضرت موسیٰؑ سے متعلق ان آیات و واقعات پر توہین کے پہلو سے گفتگو کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر روح المعانی ، تفسیر المنار، مدارج السالکین بین منازل اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، ج ۱، ص ۳۳۷، تالیف: محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد شمس الدین ابن قیم الجوزی (المتوفی: ۷۵۱ھ)، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی، دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ: الثالثۃ، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء

[۲] دیوان ابن نباتۃ المصری، ص ۳۱۲

کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے انھیں دعوت دی تو انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی، مگر اپنی زبان سے انھوں نے ہم مسلمان ہو گئے کہنے کو اچھا نہ سمجھا، اور یوں کہنے لگے کہ: ''ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا'' مگر حضرت خالدؓ انھیں قتل وقید کرنے لگے اور قیدیوں کو ہم میں سے ہر ایک کے حوالے کر دیا۔ ایک دن حضرت خالدؓ نے ہمیں اپنے اپنے قیدی قتل کر دینے کا حکم دیا، تو میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو اور نہ میرے ساتھی اپنے اپنے قیدی کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے اور مَیں نے آپؐ سے یہ واقعہ ذکر کیا، تو آنحضرتؐ نے ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

فَقَالُوا صَبَأْنَا وَأَرَادُوا أَسْلَمْنَا فَلَمْ يَقْبَلْ خَالِدٌ ذٰلِكَ مِنْهُمْ وَقَتَلَهُمْ بِنَاءً عَلَى ظَاهِرِ اللَّفْظِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَأَنْكَرَهُ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ يُكْتَفَى مِنْ كُلِّ قَوْمٍ بِمَا يُعْرَفُ مِنْ لُغَتِهِمْ وَقَدْ عَذَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ فِي اجْتِهَادِهِ وَلِذٰلِكَ لَمْ يَقِدْ مِنْهُ[2] یعنی ان لوگوں نے صَبَأْنَا کہہ کر اسلام قبول کرنا ہی مراد لیا تھا، لیکن خالدؓ نے اس ذو معنی لفظ کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کی بنا پر ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو ناپسند کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قوم سے ان کی زبان میں معروف ومتداول الفاظ کو انھی معنوں میں قبول کیا جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو اجتہادی غلطی کی وجہ سے قصاص سے معاف کر دیا۔

ظاہری صورتِ حال کو قبول کرنا

اس قاعدے یا اصول کی مثال حضرت اسامہ بن زید اور بنوسلیم قبیلہ کے چرواہے کا قصہ ہے۔ حضرت اسامہؓ کا واقعہ امام مسلم نے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ جنگ میں بھیجا، تو ہم صبح صبح جہینہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ میں نے وہاں

---

[1] مدارج السالکین بین منازل إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، ج۱، ص ۳۳۷

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۶، ص ۲۷۴

ایک آدمی کو پایا۔ اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ، میں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا، کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ میں نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: 'کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا'؟ میں نے عرض کیا: 'اے اللہ کے رسولؐ! اس نے تو یہ کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا'۔ آپؐ نے فرمایا: 'کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں؟' آپؐ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنوسلیم کا ایک آدمی بکریوں کا ریوڑ لے کر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے قریب سے گزرا اور ان کو سلام کیا، تو انھوں نے یہ سوچ کر کہ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے سلام کیا ہے، وہ اُٹھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کا بکریوں کا ریوڑ مالِ غنیمت کے طور پر ہانک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا [2] اے ایمان والو! جب تم زمین میں کہیں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمھیں سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، تم دُنیوی مال و متاع کی طلب میں ہو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بے حد و حساب غنائم ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، اب تحقیق کر لیا کرو، جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کا ظاہری دعویٰ ایمان قبول فرمایا اور ان کی نیتوں یا دلی ارادوں کی کھوج میں نہیں پڑے اور پورے عہد نبوت میں منافقین کا شمار مسلمانوں میں ہی ہوتا رہا۔ وہ جہاد، نماز، روزہ، سب عبادات میں بطورِ مسلمان حصّہ لیتے تھے، اس لیے کہ مسلمان ظاہر کو دیکھ کر معاملہ کرنے کے پابند ہیں۔ باطن اور نیت یا قصد اور ارادے کو

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الٰہ الا اللّٰہ، ص ۱۴۰

[2] اخرجہ احمد، المسند، مسند عبداللّٰہ بن عباس، ۱۹۱۹؛ والآیۃ من النساء، ص ۹۴

اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔[۱]

عقیدہ و ایمان کی طرح عدالتی اُمور میں بھی قاضی اور جج یا ثالث حضرات بھی اسی قاعدے کے پابند ہیں کہ ظاہری دلیل کی روشنی میں قاضی جس چیز پر مطمئن ہو جائے، اسی کے مطابق فیصلہ کر دے، اگرچہ وہ حقیقی صورتِ حال کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ اس ہدایت کو سیّدہ اُمِ سلمہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: ''میں بھی انسان ہوں۔ میرے پاس مقدمے کے فریقین اپنی باتیں پیش کرتے ہیں، تو ان میں سے کوئی زبان آور ہوسکتا ہے، جو محض اپنے زورِ بیان سے مجھے اپنی سچائی کا قائل کرلے اور مَیں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، تو ایسی صورت میں اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ مَیں اس کے لیے جہنم کی آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔ اب اس کی مرضی کہ وہ اسے لے یا اس کو صاحبِ حق کے لیے چھوڑ دے۔[۲]

قول میں کفر و فسق کے احتمال پر نیت کا پوچھنا

جب کسی انسان کے قولی و فعلی تصرف میں کفر و فسق کا احتمال پایا جائے، تو فوراً اس پر فتویٰ لگانے کے بجاے، اس سے اس کی نیت اور ارادے کے متعلق پوچھنا ضروری ہے۔ اپنی نیت اور ارادے کے بارے میں وہ خود ہی بتا سکتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کی نیت بتائے۔ اگر متعلقہ شخص پوچھے جانے پر کفر و ضلال والا موقف قبول کرلے تو معاملہ واضح ہوگیا۔ اگر تردید کر دے تو اس کی تردید معتبر ہوگی اور قبول کی جائے گی۔ البتہ اگر وہ خاموش رہے یا اس سے رابطہ ممکن نہ ہو، تو وہ خاموش شمار ہوگا اور اس کی جانب کفر و ضلال کی نسبت درست نہ ہوگی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: لَا یُنْسَبُ اِلٰی سَاکِتٍ قَوْلٌ[۳] ''خاموش کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی جائے گی''۔

اس کی دلیل حضرت قیس بن سعدؓ کی حدیث ہے کہ: مَیں حیرہ (کوفہ کے قریب ایک جگہ) آیا، تو میں نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ

---

[۱] شرح النووی علی صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۱۳۹

[۲] مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب الحکم بالظاہر، واللحن بالحجۃ، حدیث: ۳۲۳۲ و ملاحظہ ہو: شرح النووی علی صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۵

[۳] الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص ۱۶۲، ولابن نجیم، ص ۱۵۴، ومجلۃ الاحکام العدلیۃ، م: ص ۶۷

ان کے مقابلے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے۔ پھر جب مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو مَیں نے کہا: مَیں حیرہ گیا تھا اور مَیں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں اور آپؐ ان کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپؐ کو سجدہ کریں۔ آپؐ نے پوچھا: بھلا کیا جب میری قبر پر تُو آئے گا، کیا تُو سجدہ کرے گا؟ مَیں نے کہا: 'نہیں'۔ تو آپؐ نے فرمایا: تو پھر زندگی میں بھی کسی کو سجدہ نہ کرو۔ [1]

دوسری دلیل حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ ہے جس کو حضرت عبداللہ بن اوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ جب شام سے آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: معاذؓ! یہ کیا؟ عرض کیا: مَیں شام گیا تو دیکھا کہ اہلِ شام اپنے مذہبی اور عسکری رہنماؤں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل کو اچھا لگا کہ ہم آپؐ کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: آیندہ ایسا نہ کرنا، اس لیے کہ اگر مَیں کسی کو حکم دیتا کہ غیراللہ کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے۔ [2]

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص سے کفروشرک کا احتمال رکھنے والے افعال کا صدور ہو، تو فتویٰ یا حکم لگانے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس سے اس کا قصد وارادہ اور نیت معلوم کرنا ضروری ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو فوراً کافر و مرتد قرار نہیں دیا بلکہ طلب کر کے ان سے حقیقی صورتِ حال کی وضاحت پوچھی۔ اسی واقعے کی طرف اللہ نے ارشاد فرمایا:

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اگر میری راہ جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمھارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسولؐ کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ مت اپنے رب، اللہ پر ایمان لاؤ۔ تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام

---

[1] اخرجه ابوداؤد، السنن، النكاح، باب فی حق الزوج علی المرأة، حدیث: ۱۸۲۸

[2] اخرجه ابن ماجه، السنن، النكاح، باب حق الزوج علی المرأة، حدیث: ۱۸۴۳

بھیجتے ہو، حالاں کہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو مَیں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے، وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔(الممتحنہ۶۰:۱)

یہ آیات حضرت علی بن ابی طالبؓ کے بیان کے مطابق حضرت حاطبؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے، زبیر اور مقداد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور آپؐ نے فرمایا: تم لوگ جاؤ، حتیٰ کہ (مقام) روضہ خاخ تک پہنچو۔ وہاں تمھیں ایک کجاوہ نشین عورت ملے گی، جس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس سے لے لو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے تیزی کے ساتھ ہمیں لے اُڑے، حتیٰ کہ روضہ خاخ پہنچ گئے۔ وہاں ہمیں ایک کجاوہ نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا: خط نکال۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس سے کہا کہ یا تو خط نکال دے، ورنہ ہم تیرے کپڑے اُتار (کر تلاشی) لیں گے، تو اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس میں لکھا ہوا تھا: 'حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکّہ کے نام'۔ انھیں اس خط کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاملات (جنگ) کی اطلاع دے رہے تھے۔ رسولؐ اللہ نے حاطب سے فرمایا: حاطب! یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یارسولؐ اللہ! میرے بارے میں جلدی فیصلہ نہ فرمایئے۔ میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے۔ میں ان کا حلیف ہوں اور مَیں ان کی ذات سے نہیں اور آپؐ کے ساتھ جو مہاجر ہیں، ان سب کے رشتہ دار ہیں جو ان کے مال، اولاد کی حمایت کر سکتے ہیں۔ چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی، اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں، جس سے وہ میری رشتہ داری کی حفاظت کریں اور یہ کام میں نے اپنے دین سے پھر جانے اور اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو، حاطب نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، نہیں کہ یہ بدر میں شریک تھے اور تمھیں کیا معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حاضرین بدر کی طرف التفات کر کے فرمایا تھا کہ تم جو تمھارا جی چاہے، عمل کرو کہ مَیں تمھیں بخش چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل

فرمائی کہ اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ تم ان سے اپنی محبت ظاہر کرو، فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ [1] [الممتحنہ ۶۰:۱] ''وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا''۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ محض قیاسات و گمان اور جوش و جذبات کے زیر اثر، کسی کے کفر و ارتداد کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط لکھنے کا کیا مقصد تھا؟ اس میں کئی احتمال موجود ہیں۔ اس کا اصل مقصد وہ بھی ممکن تھا جس کو انھوں نے خود بیان کیا کہ انھوں نے اسلام میں شک و تردّد یا ارتداد کی وجہ سے نہیں لکھا، بلکہ صرف اپنے خاندان اور مفادات کو ایک طرح کا تحفظ مہیا کرنا مقصود تھا، یعنی یہ محض ایک غلطی اور لغزش کا ارتکاب تھا، کہ جس میں اسلام سے پلٹ جانے کا تصور بھی نہ تھا۔

ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا تھا کہ نعوذ باللہ وہ دین و ایمان کو ترک کر کے کفر و شرک اختیار کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں فیصلے کے لیے انھی کی طرف رجوع کر کے اصل صورتِ حال معلوم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ یہی ہوا، ان کو بلا کر استفسار کیا گیا، اور انھوں نے جو مقصود اور نیت بتائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو قبول کرنے کا حکم دیا، اور اس ضمن میں حضرت عمرؓ کا جوش و غیرتِ ایمانی پر مبنی یہ موقف بھی تسلیم نہ کیا، کہ ان کا اسلام محض نفاق ہے جس پر یہ قابلِ گردن زدنی ہیں۔ رسولؐ اللہ نے نہ صرف یہ کہ اُن کا موقف قبول کیا بلکہ اُن کی سابقہ خدمات کا کھلے عام اعلان کیا، اور ایک ضمنی بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں شرکت کے طفیل ان کی مغفرت فرما دی۔

حضرت حاطبؓ کے معاملے میں کفر و ارتداد کے مسئلے میں ملزم سے استفسار اور قصد و نیت معلوم کرنے اور پھر اسی کے قول کو معیار ماننے کی یہ ایسی روشن مثال ہے، جس سے کوئی صاحبِ ایمان انحراف کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات اس لیے مان لی تھی کہ آپؐ کو ان کی سچائی کا وحی کی بنیاد پر یقین ہوگیا تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کے تصرف میں کوئی احتمال تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں کوئی تضاد نہیں۔ آپؐ نے ہمیشہ فیصلہ ظاہر پر ہی کیا۔ منافقین کے نفاق و کفر کو آپ یقینی طور پر جانتے تھے، لیکن آپؐ نے ہمیشہ ان کی جان بخشی

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الجاسوس، حدیث: ۲۷۸۵

ظاہر کی بنیاد پر کی، اور حضرت حاطب کی جان بخشی بھی ان کی بیان کردہ ظاہری صورتِ حال پر کی۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل تقریباً پوری سیرت میں واضح نظر آتا ہے، اور آپؐ کے اسی طرزِ عمل سے فقہا و محدثین نے ایک شرعی قاعدہ اخذ کیا ہے، جو تقریباً سب فقہی مذاہب میں معتبر مانا جاتا ہے: نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ [ہم ظاہر پر فیصلہ کرتے ہیں اور غیب کا علم اللہ کے پاس ہے]۔ اس قاعدے کو اکثر لوگوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث تو نہیں ہے لیکن اس میں بیان شدہ مضمون اہلِ علم کے ہاں متفق علیہ ہے اور یہ ایک قاعدے کے طور پر درست اور مسلّم ہے۔[۲]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو کچھ کیا، اس سے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ عام اُمت کے افراد پر بھی اذیت کی کیفیت پیدا ہوئی تھی کہ ایک دفاعی راز دشمن کے علم میں لایا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد بازی اور فوری فیصلے کے بجاے ان کو بلایا، ان کا موقف سنا، صفائی کا بھرپور موقع دیا، جس میں انھوں نے اپنے مرتد ہونے کی تردید کی۔

اس طرح کی صورتِ حال میں تین ہی امکانات ہوتے ہیں:

- اوّل: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے، فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں، تو وہ اس مفہوم کو نتائج سمیت قبول کرلے کہ یہی اس کا مقصود تھا۔
- دوم: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے، فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں، تو وہ کہہ دے کہ یہ مفہوم اور اس کے نتائج میرا مقصود نہیں تھا۔
- سوم: یہ کہ ملزم تصدیق یا تردید کے بجاے خاموشی اختیار کرے۔

تیسری صورت میں مشہور فقہی قاعدہ: لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ[۳] [خاموش کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی جائے گی] کے مطابق اس کی طرف کوئی موقف منسوب کرنا درست نہ ہوگا،

---

[۱] امام شافعیؒ کی شرح حدیث: الام، ج۴، ص ۲۴۹-۲۵۰، باب المسلم یدل المشرکین علی عورۃ المسلمین

[۲] مفاتیح الغیب تفسیر رازی، ج ۱۲، ص ۴۵۷

[۳] الاشباہ والنظائر للسیوطی، ص ۱۶۲

بلکہ دوسرے شرعی قاعدے: الاصْلُ بَقَاءُ مَا كَانَ عَلٰى مَا كَانَ [قاعدہ یہ ہے کہ چیز کو اپنی اصل حالت پر محمول کیا جائے گا] پر عمل کیا جائے گا کہ وہ مسلم تھا، اور کفریہ مفہوم کے محتمل تصرف کا کفریہ مفہوم اس نے قبول نہیں کیا۔ اس لیے وہ اپنی پہلی حالتِ 'ایمان' پر ہی شمار ہوگا۔

نیت کی بنیاد پر کفر و ایمان کا فیصلہ

قبل ازیں ہم حضرت معاذؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کے واقعات، اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ نقل کر چکے ہیں۔ انھی واقعات اور نصوص جیسی بے شمار دلیلیں قرآن وسنت میں موجود ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ انسان کی نیت اور قصد وارادے کو اس کے کفر وایمان میں کسوٹی کا درجہ حاصل ہے۔

زیر بحث معاملے کی وضاحت کے لیے ذیل میں چند مزید احادیث نقل کرتے ہیں:

● حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن کا کچھ سونا مٹی میں ملا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ رسولؐ اللہ نے اسے چار آدمیوں اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری (قبیلہ بنی کلاب) اور سیاور زید الخیر عطائی (قبیلہ بنی نبھان) پر تقسیم فرمایا۔ قریش اس بات پر ناراض ہوئے اور کہا کہ: 'آپ نجد کے سرداروں کو دیتے اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں نے ایسا ان کی تالیفِ قلب کے لیے کیا۔ پھر ایک آدمی گھنی داڑھی اور پھولے ہوئے رخسار والے، آنکھیں اندر دھنسی والے اور اُونچی جبین والے، مونڈے ہوئے سر والے نے آکر کہا: اے محمدؐ! اللہ سے ڈرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر مَیں اللہ کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو اللہ کی فرماں برداری کرے؟ یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے، مجھے امین بنایا اہلِ زمین پر، اور تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے''۔

وہ آدمی چلا گیا تو قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جو کہ غالباً حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنِّيْ لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ ''مجھے کسی انسان کے دل میں اُتر کر دیکھنے یا لوگوں کے پیٹ پھاڑ کر حقیقت معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا''۔ پھر فرمایا: ''اس آدمی کی نسل سے وہ قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا۔ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے

اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے۔ وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے، جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اگر مَیں ان کو پاتا تو انھیں قومِ عاد کی طرح قتل کرتا۔[۱]

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یعنی مجھے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے، باطن اور اندرون کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے''۔[۲]

● حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار فرماتے ہیں کہ مجھے ایک انصاری نے بتایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجلس میں گیا اور سرگوشی کے انداز میں ایک منافق کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند فرمایا: 'کیا وہ کلمۂ شہادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی نہیں دیتا؟' انصاری صحابی نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسولؐ اللہ! لیکن اس کی اس شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر فرمایا: 'کیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی نہیں دیتا؟' عرض کیا: کیوں نہیں یارسولؐ اللہ! وہ گواہی ضرور دیتا ہے، لیکن اس کی یہ شہادت قابلِ اعتماد نہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟' عرض کیا: کیوں نہیں یارسولؐ اللہ! لیکن اس کی کوئی نماز نہیں۔ اس کے بعد رسولؐ اللہ نے واضح حکم دیا: 'یہ وہ لوگ ہیں جنھیں قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع کیا ہے'۔[۳]

امام نووی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل نہیں کیا، کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، اور رسولؐ اللہ کو ظاہر کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور نیت و باطنی قصد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کی ہدایت دی گئی تھی۔[۴]

اعتقادی اور عملی کفر و شرک میں فرق

کفر و ایمان، شرک و توحید، بدعت و سنت کا باہمی تعلق تو اضداد پر مبنی ہے۔ لیکن قرآن و سنت پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایک ہی شخص میں بعض اوقات توحید کے ساتھ شرک، سنت کے

---

[۱] مسلم، الصحیح، الزکوٰۃ، باب ذکر الخوارج، حدیث: ۱۷۶۳

[۲] شرح النووی علی صحیح مسلم، ج ۷، ص ۱۶۳

[۳] مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبیداللہ بن عدی الانصاری، حدیث: ۲۲۴۴۹

[۴] شرح النووی علی صحیح مسلم، ج ۱۶، ص ۱۳۹

ساتھ بدعت، ایمان کے ساتھ کفر، فسق و معصیت کے ساتھ طاعت و تسلیم بہ یک وقت جمع ہوتے ہیں۔ ایک ہی شخص میں باہمی متضاد ان چیزوں کا اجتماع ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایسی شخصیات کا وجود پایا جاتا تھا، جن میں یہ تضادات جمع تھے اور آپؐ نے ایمان و توحید، سنت اور طاعت و تسلیم کو ان کے کفر و شرک، بدعت، فسق و معصیت پر ترجیح دی اور اس کی اصل وجہ اور بنیاد، دو باتیں تھیں:

● اوّل یہ کہ 'کفر' کا لفظ کتاب و سنت میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے: ۱- ایمان و توحید کی ضد و مقابل۔ عام طور پر قرآن و سنت میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ۲- کفرانِ نعمت، شکر کی ضد و مقابل۔ اس مفہوم میں بھی قرآن میں استعمال ہوا۔ ۳- اعلان برأت و لاتعلقی ۴- بمعنی انکار و جحود ۵- پردہ پوشی و ستر چھپانا۔ یہ کفر کا عربی زبان میں اصل اور بنیادی مفہوم ہے۔[1]

● دوم یہ کہ شرعی کفر جس سے آدمی دائرۂ ملّت سے خارج اور باہر ہوجاتا ہے وہ صرف کفر اکبر ہوتا ہے نہ کہ کفر اصغر۔ اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ آپؐ نے اعتقادی کفر و شرک، اور عملی کفر و شرک اور بدعت و معصیت میں فرق کیا۔ منافقین کے ساتھ آپؐ کا معاملہ اس کی واضح مثال ہے کہ ان میں کفر و شرک اور معاصی کا وجود ایک حقیقت تھی، لیکن دوسری طرف وہ بیش تر ظاہری اعمال: نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ میں عملی طور پر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان شمار کر کے ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا۔ آں حضوؐر کا یہ فرق ملحوظ رکھنا شریعت کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ (المائدہ ۵:۴۵-۴۷) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ پھر ہم نے ان پیغمبروںؑ کے

---

[1] نزهة الأعين النواظر فی علم الوجوه والنظائر، ص ۵۱۶، تالیف: جمال الدین (المتوفی ۵۹۷ھ)

بعد مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اُس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خداترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہلِ انجیل اُس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

ان آیات میں، اپنے جھگڑوں کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام وقوانین کے مطابق نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ اگر ظاہری مفہوم کو لیا جائے تو: ''موجودہ زمانے میں اکثر مسلم ممالک کا عدالتی نظام اور قوانین نوآبادیاتی زمانے میں سامراجی حاکموں سے لیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ دائرۂ ملّت سے خارج اور باہر ہوجاتے ہیں''۔ اکثر تکفیریوں کا یہی موقف ہے کہ: ''مسلم ممالک کے حکمران دائرۂ ملّت سے خارج ہیں، اسی لیے ان کے خلاف جہاد و لڑائی واجب ہے''۔ لیکن ان کا یہ موقف اس لیے درست نہیں کہ انھوں نے عملی اور اعتقادی کفر میں فرق نہیں کیا، حالاں کہ یہ فرق نصوص نے کیا اور صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر اس کو ملحوظ رکھا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی مکہ مکرمہ اور مشہور مفسر تابعی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: إِنَّهُ لَيْسَ بِالْكُفْرِ الَّذِيْ تَذْهَبُوْنَ إِلَيْهِ وَإِنَّهُ لَيْسَ كُفْرًا يَنقِلُ عَنْ مِلَّةٍ كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ [1] ان آیات میں وہ کفر مراد نہیں، جس کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن جاتا ہے، اور اس سے وہ کفر بھی مراد نہیں جو دائرۂ ملّت سے خارج کر دیتا ہے، بلکہ بڑے کفر سے کم درجے کا کفر، ظلم اور فسق مراد ہے۔

متعین فرد کو کافر قرار دینے کے لیے شرائط

اس سلسلے میں یہ قاعدہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ کچھ اعمال واقوال کو شریعت میں کفر قرار دیا

---

[1] سنن الکبریٰ، بیہقی، کتاب النفقات، حدیث: ۱۴۷۷۱

گیا ہے اور ان کا حکم ہمیشہ یہی ہوگا اور ان کا مرتکب کافر ہوگا۔ یہ عمومی بات سو فی صد درست ہے۔ البتہ ان اعمال و اقوال کا کوئی متعین مرتکب یا فاعل ضروری نہیں کہ کافر ہو جائے، اس لیے کہ ان اعمال کے متعین مرتکب پر کفر کا حکم لگانے کے لیے کچھ شرائط کا وجود اور موانع کا عدم وجود لازمی قرار دیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک حدیث میں شراب کے سلسلے میں دس افراد پر لعنت کی تصریح فرمائی جن میں: شراب، اس کو پینے والا، اس کا ساقی (پلانے والا)، فروخت کرنے والا، خریدار، شراب ساز، جس کے لیے تیار کی گئی، نقل وحمل میں کام کرنے والا کہ جس کے لیے منتقل کی گئی، شامل ہیں۔ [1]

آپؐ نے ایک طرف تو شراب نوشی پر لعنت فرمائی، لیکن جب حضرت عبداللہؓ کا نام اور حمار لقب والے ایک متعین شخص کو بار بار جرمِ شراب نوشی میں آں حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تب بعض صحابہ کرامؓ نے ان پر لعنت بھیجی، تو آپؐ نے سختی سے منع فرمایا: لَا تَلْعَنُوهُ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ''اس پر لعنت مت بھیجو، کیونکہ یہ میرے علم میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے''۔ [2]

اسی طرح شدت مسرت میں اپنے آپ کو ربّ، اور اللہ تعالیٰ کو عبد قرار دینے والے مسافر کی حدیث، اور حضرت قیس بن سعدؓ کے حیرہ سے واپسی اور معاذ بن جبلؓ کے شام سے واپسی پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے، اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے دشمن کے لیے مخبری کے واقعات ہم نقل کر چکے ہیں، کہ کفر وخیانت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا، کیونکہ شروط وموانع پر بھی آپؐ کی نظر تھی۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ کوئی فعل، شرعاً ثابت شدہ یقینی کفر، شرک، بدعت یا معصیت ہو، لیکن اس کا فاعل کسی شرط کے عدم وجود یا کسی مانع (رکاوٹ) کے وجود کی وجہ سے مسلم ہی رہے، کافر اور مرتد یا متبدع وعاصی نہ ہو۔ یعنی فعل اور فاعل کا حکم بالکل ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو سکتا ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب العنب یعصر للخمر، حدیث: ۳۶۷۴

[2] مسند ابی یعلی الموصلی، مسند عمر بن الخطاب، حدیث: ۱۶۴

تکفیر کے لیے لازمی شرائط

اب ہم ذیل میں ان شرائط وموانع کو بیان کریں گے:

● **عقل اور ہوش و حواس:** ان شرائط میں سب سے اوّلین شرط عقل وشعور اور ہوش وحواس کا موجود ہونا ہے اور اس کی ضد 'جنون' مانع، یعنی رکاوٹ ہے۔ گویا کسی مسلمان شخص کو کافر قرار دینے کے لیے اس کا عاقل ہونا شرط ہے جس کی عدم موجودگی میں مشروط کا وجود بھی کالعدم ہوگا اور عقل کی ضد 'جنون' تکفیر مسلم میں مانع ہے۔

● **بلوغت:** دوسری شرط بلوغت ہے، اور اس کی ضد نابالغ ہونا مانع ہے۔ لہٰذا، بچے اور کسی بھی نابالغ پر ارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا۔

● **علم:** تیسری شرط علم، اور اس کی ضد جہالت مانع ہے۔ لہٰذا، اگر کوئی شخص کسی قولی یا فعلی کفر کا ارتکاب لاعلمی اور جہالت میں کر بیٹھے، تو شرطِ علم کے فقدان اور مانع جہالت کے وجود کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ایک گناہ گار کا قصہ بیان ہوا جس میں اس نے بچوں کو وصیت کی کہ اس کی لاش جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے سکے۔ اس نے بعث وقدرتِ الٰہی کا انکار کیا، جو کفر ہے۔ لیکن آخرت میں اس کی مغفرت ہوگئی کیونکہ لاعلمی وجہل کی وجہ سے اس نے یہ گمان کیا کہ اس طرح وہ حساب کتاب اور عذاب سے بچ جائے گا۔ اس کی لاعلمی گویا مانع بن گئی اور اس شخص کا ایمان معتبر مان کر اس کی مغفرت کر دی گئی۔

● **ارادہ و اختیار:** چوتھی شرط ارادہ واختیار ہے اور اس کی ضد 'جبر واِکراہ' مانع ہے۔ گویا جس نے کفر کا ارتکاب جبر واِکراہ کی وجہ سے کیا، اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس ضمن میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا قصہ ہم ذکر کر چکے ہیں، جس کا تذکرہ اشارتاً قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔

● **تاویل و اجتہاد:** پانچویں شرط تاویل واجتہاد کا نہ ہونا ہے اور تاویل واجتہاد کا وجود، تکفیر میں مانع ہے۔ لہٰذا، اگر کسی نے کسی معقول تاویل یا غلط اجتہاد کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کیا، تو اس پر ارتداد کا حکم صادق نہیں آئے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا قصہ گزر چکا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، لیکن تکفیر کا حکم نہ ہوا۔ اسی طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے

رسولؐ اللہ اور صحابہ کرامؓ کا دفاعی راز دشمن تک پہنچایا۔ ان دونوں واقعات میں مانع تاویل و اجتہاد اور ایک عظیم نیکی غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف ہے۔

● **قصد و نیت**: چھٹی شرط قصد و نیت ہے۔ جس نے کوئی قول و فعل بغیر قصد و نیت کے کیا، مثلاً: غفلت، نسیان، بے ہوشی، نیند اور غنودگی، یا کسی جذباتی (مسرت، خوف، غصّے کی) کیفیت میں کوئی کفریہ حرکت کی تو نیت کے فقدان کی وجہ سے اس شخص کو کافر قرار دینا درست نہیں ہوگا۔ قبل ازیں ہم شدتِ مسرت میں کفریہ کلمات کہنے والے بیابان کے مسافر کی حدیث ذکر کر چکے ہیں، جس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح و تعریف اور پسندیدگی کے ساتھ فرمایا، اور یہاں مانع عدمِ قصد ہے۔

خلاصہ کلام

اس مقالے میں کسی مسلمان کے کفر و ارتداد کا فیصلہ کرنے کے لیے شرعی قواعد و ضوابط اور اصول و مبادی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بطورِ خلاصہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

اصولاً ہر انسان مسلم ہے، اور اس کا دین اسلام ہے، کفر بعد میں پیدا ہونے والا ایک عارض ہے۔ دین و ایمان کی حفاظت شریعت کا اوّلین اور سب سے اہم مقصد ہے۔ شریعت میں تکفیر کے لیے جلد بازی، بے احتیاطی پر سخت وعید آئی ہے، تو ایمان کا یقین کفر و ارتداد کے شک سے ختم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ جو بات یقینی طور پر ثابت ہو، وہ صرف یقین سے ہی ختم ہوسکتی ہے۔

شریعت کی نظر میں ایمان کی جو اہمیت ہے، اس کے پیش نظر شارع نے کبھی ظاہر حال کو ترک کر کے دل کی نیت کو، ایمان کی خاطر قبول کرلیا، اور کبھی ظاہری صورتِ حال اگر ایمان کے حق میں ہو، تو نیتوں کو ٹٹولنے یا دلوں میں اُترنے کے بجاے ظاہر کو قبول کرلیا۔

قول و فعل میں کفر و فسق کا احتمال ہو تو صاحبِ قول سے اس کی نیت کا پوچھنا لازمی ہے اور انسان کی نیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے یا کوئی انسان خود اپنی نیت بتا سکتا ہے نہ کہ کوئی دوسرا۔

شارع نے نصوص میں اعتقادی اور عملی کفر و شرک میں فرق رکھا ہے۔ جس کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ جب معاملہ کسی متعین شخص یا افراد کو کافر، مشرک قرار دینے کا ہو، تو اس مقصد کے لیے کچھ شروط کا وجود ضروری ہے، اور اسی طرح کچھ موانع کا نہ ہونا بھی لازمی ہے۔ تکفیر کے لیے لازمی

ان شرائط وموانع میں عقل اور ہوش وحواس میں ہونا، بلوغت اور مکفرات کا علم ہونا، نیز یہ کہ اس نے اپنے آزاد ارادے واختیار کے ساتھ ان کا ارتکاب کیا ہو۔ اور تاویل واجتہادی خطا نہ ہو، قصد اور نیت بھی پائے جائیں۔

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی مسلمان کے عقیدے اور دین وایمان کا فیصلہ کرنا، صحافیوں، کالم نویسوں، ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے اینکروں یا عامۃ الناس، شعلہ نوا مقرروں اور پُرجوش طلبہ کا کام نہیں بلکہ عام علما اور مفتی حضرات کو بھی اس میں حصّہ نہیں لینا چاہیے، کیونکہ کفر وایمان کے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے اجتہادی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔

اور یاد رکھنا چاہیے کہ کسی قول وفعل یا رواج وعادت کو عمومی طور پر کفر وشرک، یا فسق وفجور اور ظلم، یا بدعت، یا قابلِ لعنت و پھٹکار، یا گناہ تسلیم کرنے یا قرار دینے سے اس کے مرتکب کسی خاص یا متعین شخص کو کافر، مشرک یا فاسق، فاجر وظالم، یا ملعون یا بدعتی قرار دینا درست نہیں، جب تک کہ سابق بیان کردہ چند شرائط کا وجود اور چند موانع کا عدم وجود یقینی نہ ہو۔

اس ضمن میں کئی مزید قواعد اور اصول بھی بیان کیے جاسکتے ہیں، لیکن بیان شدہ اصول وہدایات اس معاملے کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ کسی مسلمان کی تکفیر وتفسیق یا مشرک بدعتی کہنے میں جلد بازی کے بجاے، احتیاط اور معاملہ فہمی سے لے کر شریعت کے مقصد کو پیش نظر رکھا جائے کہ دینِ اسلام میں لانا اور داخل کرنا، اور پھر دین وایمان کی حفاظت کرنا اصل مقصود ہے اور جلد بازی میں کسی کے عقیدے پر حکم لگانا درست نہیں۔ (مکمل)